© rasailojaraid.com

هذا الحديث واتقى لله من ان يبلغه هذا الحديث ثم لا يقول به الا لمعنى فهمه عن النبي صلى الله عليه وسلم ۔

یہ ہے کہ ان پر یہ حدیث پوشیدہ رہتی اور خدا سے ڈرنے والوں سے جیسے وہ بہت زیادہ ڈرنے والے تھے ان سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ رسول اللہ کی یہ حدیث ان تک پہنچی اور اس کے بعد بھی اس کے وہ قائل نہ ہوئے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ اس معاملہ میں رسول اللہ ہی سے کوئی بات ان کی سمجھ میں آئی ۔

شاہ صاحب کا مقصد مبارک یہ ہے کہ گو بہ ظاہر عمّار والی روایت کے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے حضرت عمرؓ کے عمار ہی کے خیال کی توثیق فرمائی یعنی غسل کی جگہ بھی آدمی بہ ضرورت تیمم کر سکتا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل سے یہی بات ثابت ہوتی ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توثیق کے بعد بھی حضرت عمرؓ اپنے خیال پر جمے رہتے ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی ابن مسعود جو حضرت عمرؓ کے اس مسئلہ میں ہم نوا تھے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی توثیق کردہ طرزِ عمل کے خلاف فتوی دیتے

شاہ صاحب نے دعوی کیا ہے اور بجا دعوی کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دوسرے حالات جو تواتر کے ساتھ امت تک پہنچے ہیں قطعاً ان کا یہ اصرار جو گویا پیغمبر کے حکم سے سرتابی کے مرادف ہے، مخالف ہے پس یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ گو حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر تشفی فرما دی کہ تمہارے سلئے وضو والے تیمم کا کر لینا کافی تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طرزِ عمل سے حضرت عمرؓ کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ میرے خیال کی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تردید نہیں فرمائی ہے بلکہ آپ نے عمار کو یہ سمجھا دیا کہ تم نے جب قرآن سے یہی سمجھا تھا کہ غسل کا قایم مقام بھی تیمم ہو سکتا ہے تو وضو والا تیمم کر لیتے اور حضرت عمرؓ کو بھی آپ نے چھوڑ دیا کہ قرآن سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمہاری سمجھ میں اگر یہی آیا ہے کہ تیمم کی آیتوں کا غسل سے تعلق نہیں ہے تو تم کو بھی اپنے مسلک پر قایم رہنے کا اختیار ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی طرف سے یہ عذر جیسے شاہ صاحب نے پیش کیا ہے اگر صرف اسی پر اکتفا کر کے گذر جاتے تو مشکل ہی سے ان کا یہ عذر قابل قبول ہو سکتا تھا بلکہ ایسی صورت میں میرے نزدیک یہ بات زیادہ آسان تھی کہ راویوں کے متعلق یہ کہہ دیا جاتا کہ خدا جانے واقعہ کی تعبیر میں ان سے کیا غلطی واقع ہوئی جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایسا صریح الزام عائد ہوتا ہے

لیکن اسی مقام سے شاہ ولی اللہؒ کی محدثانہ وسعت نظری کا اندازہ ہوتا ہے، حضرت عمرؓ کی طرف سے مذکورہ بالا عذر کو پیش کرنے کے بعد شاہ صاحب نے النسائی کے حوالہ سے ایک روایت بھی نقل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ

عن طارق ان رجلا اجنب فلم يصل فاتى النبي صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له فقال اصبت فاجنب رجل اخر فتيمم وصلى فاتاه فقال له نحوا مما قال للاخر يعني اصبت ص۲۷

طارق سے مروی ہے کہ ایک شخص حالت جنابت (ناپاکی) میں مبتلا ہوا اور اس نے نماز نہیں پڑھی پھر وہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس قصے کا ذکر کیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کیا، پھر ایک دوسرا آدمی جنابت میں مبتلا ہوا اور تیمم کر کے اس نے نماز پڑھ لی وہ بھی رسول اللہ کے پاس آیا۔ اس سے بھی رسول اللہ نے وہی بات کہی جو پہلے سے کہی یعنی تم نے ٹھیک کیا

کوئی شبہ نہیں کہ اس روایت کے بعد حضرت عمرؓ کی طرف سے جو عذر پیش کیا گیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ باور نہیں بلکہ عذر معقول کی شکل اختیار کر لیتا ہے یعنی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے سوا بھی بعض دوسرے صحابیوں کے ساتھ یہی رویہ اختیار فرمایا تھا یعنی جس نے بجائے غسل کے تیمم نہیں کیا اور قرآنی آیت سے اس نے یہی سمجھا تھا اس کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مسلک پر رہنے دیا۔ اور جن صاحب کی سمجھ میں قرآن سے یہ آیا کہ غسل کی جگہ بھی تیمم کیا جا سکتا ہے ان کو بھی ان کے سمجھے ہوئے مطلب پر قائم رہنے کا اختیار دیتے ہوئے فرمایا کہ تم نے بھی جو کچھ کیا وہ ٹھیک ہی کیا اور میں تو سمجھتا ہوں کہ بنی قریظہ کی مہم کے سلسلے میں بخاری وغیرہ صحاح کی کتابوں میں جو یہ مشہور حدیث پائی جاتی ہے یعنی چند صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ بنی قریظہ کی بستی میں پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھنا لوگ روانہ ہوئے مگر بعضوں نے راستہ ہی میں عصر کی نماز پڑھ لی اور بعض نے بنی قریظہ میں پہنچ نماز پڑھی راستہ میں نماز پڑھنے والوں نے خیال کیا کہ مقصود رسول اللہ کا یہ ہے کہ جہاں تک جلد ممکن ہو بنی قریظہ کی مسجد میں ہم لوگ پہنچ جائیں اور جنہوں نے بنی قریظہ میں پہنچ کر پڑھی انہوں نے لفظ رسول اللہ کے حکم کی تعمیل کو ضروری خیال کیا جب دونوں نے اپنا اپنا قصہ رسول اللہ سے عرض کیا تو بخاری میں ہے کہ لم یعنف احدا الیعنی دونوں میں سے کسی کو ملامت نہیں کی گئی بہرحال پیغمبر کے قول کا جو مطلب جس کی سمجھ میں آیا اسی کو درست قرار دیا گیا۔

اگرچہ ہے تو یہ ایک جزئی واقعہ لیکن اس جزئیہ سے جو کلیہ اختلافات کے مسئلہ میں پیدا ہوتا ہے، میرے نزدیک وہ قرآنی الفاظ کے قرآتی اختلافات سے کم اہم نہیں ہے قرآت والی روایتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف قرآنی الفاظ کے تلفظ کے اختلافات تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمی اختلافات کی برداشت کی صلاحیت صحابہ کرام میں آپ نے پیدا کرنی چاہی تھی، لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت عمارؓ کے سوا النسائی میں جن دو اور صحابیوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے متعلق قصہ سے تو علاوہ الفاظ کے قرآنی الفاظ کے معانی اور مطالب کے اختلافات کے متعلق بھی معلوم ہوتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرز عمل سے یہ دکھا دیا کہ ہر ایک کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے سمجھے ہوئے مطلب پر قیام کی آزادی حاصل ہے حالانکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو مسئلہ کے دو پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کو متعین فرما دیتے ۔ اور اگر آپ کے منشاء مبارک سے صحابہ کی سمجھ میں بھی بات آ جاتی کہ کسی ایک ہی پہلو پر آپ سب کو قایم کرنا چاہتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ اپنے خیال سے دست بردار ہو کر وہ حضور کے منشاء کی تعمیل کی سعادت حاصل نہ کرتے جن بے چاروں نے اپنے سارے آبائی خیالات و عقائد، رسوم و رواج سب کو جس کے قدموں پر یک لخت نثار کر دیا تھا ان کے متعلق یہ کتنی بڑی گندی بدگمانی ہوگی کہ منشاء نبوت کے خلاف ایک معمولی جزئی مسئلہ میں اپنے خیال پر وہ اڑے رہتے بس بات وہی ہے کہ نبوت کے مذاق شناس ہونے کی وجہ سے ان کو اندازہ ہو گیا کہ کسی ایک مسلک پر اس مسئلہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواہ مخواہ ہر ایک کو قایم کرنا نہیں چاہتے، بلکہ ہر ایک کو آزادی عطا فرمائی گئی ہے کہ جس کی سمجھ میں جو بات اس مسئلہ میں آئی ہے، چاہے تو اسی پر قایم رہ سکتا ہے، یہی راز تھا کہ حضرت عمرؓ اور ابن مسعود حضرات عمار والے واقعہ کے بعد بھی غسل والے تیمم میں اپنے خیال پر قایم رہے ۔ پوچھنے والا ان سے جب پوچھتا تو جو ان کا خیال تھا اسی کو ظاہر کرتے، لیکن اسی کے ساتھ اس مسئلہ میں جن کا خیال اس سے مختلف تھا، سمجھتے تھے کہ اختلاف کا یہ حق ان کا جائز حق ہے ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجودیکہ خلافت کبریٰ کی طاقت اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے ۔ اور جیسا کہ ابھی معلوم ہوگا کہ بعض مسائل میں خاص وجوہ سے انھوں نے مسلمانوں کو بزور ایک ہی نقطہ پر جمع ہونے کا حکم بھی دیا ہے ماسوا اس کے ایک بات غور کرنے کے قابل یہ بھی ہے کہ حدیثوں کی روایت میں اقلال اور کمی کی تاکید کا مقصد اگر صرف یہی تھا کہ کثرت روایت میں غلطیوں کی گنجائش زیادہ پیدا ہو سکتی ہے تو اس کے لئے فقط یہ کہنا کافی تھا کہ بجائے اکثار کے حدیثوں کی روایت میں اقلال کی راہ اختیار کرنا چاہئے قرآن اور اس کے ساتھ لوگوں کی مشغولیت کے ذکر کی ضرورت کیا تھی، حالاں کہ حضرت عمرؓ کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ قرظہ کو وصیت کرتے ہوئے یہی فرماتے ہیں کہ حدیثوں میں مشغول کر کے ایسا نہ ہو کہ قرآن سے لوگوں کی توجہ کو تم ہٹا دو اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حجۃ الوداع والی وصیت نبوی میں بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جارہا ہے کہ علیکم بالقرآن" (قرآن کو پکڑے رہنا) کے الفاظ کے ساتھ اپنی اس وصیت کو شروع فرماتے ہیں در آخر میں صرف ان لوگوں کو جنھیں بھروسہ ہو کہ حدیث صحیح طور پر ان کو یاد ہے اور انھوں نے اس کو سمجھا ہے روایت کی بھی اجازت مرحمت فرمائی جاتی ہے۔

سوال یہی ہے کہ یہاں قرآن کے ذکر کی کیا ضرورت تھی؟ میرے نزدیک تو خود یہ بھی ایک مستقل قرینہ اس بات کا ہے کہ اقلال روایت کے اس حکم میں ان اغراض کے ساتھ جو حافظ ابن عبدالبر وغیرہ نے بیان کیا ہے، ایک بڑی غرض وہی معلوم ہوتی ہے کہ ابتداء اسلام میں قصداً چاہا جاتا تھا کہ جن حدیثوں کو پیغمبر نے عمومیت کی راہ سے لوگوں تک نہیں پہنچایا ہے، ان میں عمومیت کی ایسی کیفیت نہ پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے ان کے مطالبہ اور گرفت میں بھی لوگ اسی قسم کی قوت محسوس کرنے لگیں، جو صرف قرآن اور قرآنی مطالبات کے عملی تشکیلات کے ساتھ مختص ہے، قرآن پر زور دینے کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں نہیں عام اشاعت اور اکثار ان ہی مطالبوں کی کی جائے جن کا نام قرآن نے "البینات" رکھا ہے ور دین کے اس حصہ کو دوسرے حصہ سے ممتاز کرنے کی اصولی شکل اس زمانہ میں یہی ہو سکتی تھی کہ عمومیت کے رنگ کے پیدا ہونے سے اس کو بچایا جائے۔ اسی کی تعبیر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اقلوا الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتیں کم بیان کیا کرو۔

ورنہ اقلال کے اس حکم کا مطلب اگر صرف یہی تھا کہ غلطیوں سے محفوظ رہنے کی راہ یہی ہے تو اس موقعہ پر قرآن کی مشغولیت پر زور دینے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی حالاں کہ خبر آحاد کی حدیثوں کے متعلقہ خدمات کے سلسلہ میں یہ خدمت یعنی ان سے پیدا ہونے والے احکام و نتائج کی گرفت میں "البینات" کے نتائج واحکام کی گرفت کی کیفیت نہ پیدا ہونے پائے ایک ایسی کھلی ہوئی بات ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں اس کی پوری نگرانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمائی، بلکہ بجائے عام صحابیوں کے ان کا علم خاص خاص صحابیوں تک جو محدود نظر آتا ہے عرض کر چکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصداً ان حدیثوں کے پہنچانے میں یہ طریقہ عمل جو اختیار فرمایا تھا یہ ان روایتوں کی تبلیغ کے اسی طریقہ خاص ہی کا تو نتیجہ تھا، جو اتفاقاً پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ چاہا گیا تھا کہ اسی رنگ میں لوگوں تک وہ پہنچے، بتایا جا چکا ہے کہ جن چیزوں سے خبر آحاد کی ان روایتوں کی اس خصوصیت کے متاثر ہونے کا اندیشہ عہد نبوت اور عہد صدیقی میں پیدا ہوتا تھا ان کے ازالہ کی طرف توجہ کی گئی۔ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ نکتہ اوجھل رہ جاتا، اسی لئے میرا خیال ہے کہ حدیثوں کے اقلال کے متعلق جتنی روایتیں حضرت عمرؓ کی طرف منسوب ہیں ان سے منجملہ دوسرے اغراض کے ایک بڑی غرض یہ بھی تھی۔

لیکن ظاہر ہے کہ ان حدیثوں کے متعلق یہ خدمت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہونے پائے یہ ایسی بات ہے جس کی نگرانی کے تو مسلمان قیامت تک ذمہ دار ٹھہرائے گئے ہیں، اس خدمت کا تعلق کسی خاص عہد اور زمانہ تک محدود نہیں ہے بلکہ جیسے پہلی صدی ہجری میں اس امر کے نگرانی کی ضرورت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے والے کوئی غلط بات منسوب نہ کر دیں، وہی ضرورت آج بھی موجود ہے اور قیامت تک اس کی ضرورت باقی رہے گی۔

لیکن یہ مسئلہ کہ خبر آحاد کی حدیثوں میں "البینات" کا رنگ نہ پیدا ہو، کھلی ہوئی بات ہے کہ اس خدمت کا تعلق ایک خاص زمانہ تک محدود رہ سکتا ہے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صحاح کی کتابوں میں مدوّن ہو جانے کے بعد کون نہیں جانتا اور میں بھی کہہ چکا ہوں کہ خبر آحاد کی ان حدیثوں کی نوعیت متواتر روایتوں کی ہو گئی ہے یعنی یہ بات کہ صحاح کے مصنفین ہی کی یہ مدوّن کی ہوئی حدیثیں ہیں شک و شبہ سے یہ مسئلہ اسی طرح بالا و برتر ہو چکا ہے جیسے مشہور کتابوں کا ان کے مصنفین کی طرف انتساب متواترہ واقعہ ہوتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ مصنفین صحاح کے بعد متواتر ہو جانے کی وجہ سے ان روائتوں میں "البینات" کا رنگ پیدا نہیں ہو سکتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"البینات" کی حیثیت تو ان ہی چیزوں کی ہو سکتی ہے جن کی اشاعت میں عہد نبوت ہی سے عمومیت کی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہو ورنہ اسلام کے ابتدائی قرون میں جو چیزیں خبر آحاد کی شکل میں الواحد سے واحد کی طرف منتقل ہوتی رہیں یعنی اکّے دکّے آدمیوں تک ان کا علم اور ان کی روایت محدود رہی بعد کے قرون میں خواہ ان کی اشاعت کا دائرہ وسیع ہوتے ہوئے تواتر کے درجہ تک ترقی کر کے کیوں نہ پہنچ گیا ہو لیکن شریعت کے "بینات" میں وہ داخل نہیں ہو سکتیں۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں خبر آحاد کے متعلق اس خدمت کی یہی نوعیت یعنی صرف ابتدائی قرون تک اس کا محدود ہونا اسی لئے ان دوسری خدمتوں کے مقابلہ میں جن کی طرف توجہ کسی خاص زمانہ تک محدود نہ تھی اس کی اہمیت کو جیسا کہ چاہئے تھا لوگوں پر واضح ہونے نہ دیا حالاں کہ یہ سوچنے کی بات تھی کہ دین کے "بنیاتی حصہ" کو جن ذرائع سے عام لوگوں میں منتقل کیا گیا تھا، ان ذرائع کو خبر آحاد کی حدیثوں کی تبلیغ میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختیار فرمانا چاہتے تو اس میں کون سی چیز مانع ہو سکتی تھی؟ سو یہی نہیں کہ ان ذرائع سے ان کی تبلیغ میں کام نہیں لیا گیا بلکہ عمومیت کی کیفیت کے پیدا ہونے کا خطرہ جن جن چیزوں سے پیدا ہو سکتا تھا پوری طاقت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں بھی ان کے انسداد کی کوشش فرمائی۔ آپ کے بعد حضرت ابو بکر بھی اس کی نگرانی فرماتے رہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو روایتوں کے اقلال اور کمی میں اتنی غیر معمولی داروگیر سے اپنے زمانہ میں کام لیا، کہ ان کے طرز عمل سے بعضوں کو اس کا مغالطہ ہو گیا کہ سرے سے وہ حدیثوں کی اشاعت ہی کے مخالف تھے، لیکن یہ ساری غلط فہمیاں اسی پر مبنی ہیں کہ لوگوں نے اس فرق ہی کو محسوس نہیں کیا جسے دین کے ان دونوں مختلف شعبوں کی تبلیغ میں شروع ہی سے قائم رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔

حیرت ہوتی ہے کہ لوگ عام طور پر کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب فتح بیت المقدس کے موقعہ پر فلسطین تشریف لے گئے اور گرجا کا معائنہ فرماتے ہوئے آپ نے ظہر کی نماز پڑھنی چاہی، کلیسا کے اساقفہ اور پادریوں نے حالاں کہ حضرت سے عرض کیا کہ آپ گرجے کے اندر نماز پڑھ سکتے ہیں لیکن آپ نے یہ کہتے ہوئے کہ میرے نماز پڑھنے کے بعد مسلمان آئندہ اس گرجے میں کسی حق کے مدعی ہو جائیں گے بجائے اندرون کلیسا کے اس کی بیرونی سیڑھیوں پر نماز ادا کی پیش بینوں اور ان کے متعلق دقیقہ سنجیوں کے یہ انمول نمونے جو حضرت عمر فاروق رض کی زندگی میں ملتے ہیں، جس درخت (الشجرہ) کے نیچے بیعت رضوان کا واقعہ پیش آیا تھا، ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اسی درخت کے نیچے نماز پڑھنے کے بڑھتے ہوئے رجحانات کو دیکھ کر جیسا کہ صحاح کی کتابوں میں مذکور ہے اور عام طور پر لوگ اس سے واقف ہیں، حضرت عمر رض کا حکم دینا کہ اس درخت کو کاٹ دیا جائے یا حج سے واپسی کے موقع پر یہ دیکھ کر کہ راستے کے بعض خاص خاص مقامات میں لوگ نماز پڑھنے میں ایک دوسرے پر سبقت کر رہے ہیں حضرت کا دریافت فرمانا کہ لوگ یہ کیا کر رہے ہیں، جواب میں کہا گیا کہ جن جن مقامات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر حج میں نمازیں پڑھی تھیں لوگ ان ہی جگہوں میں خصوصیت کے ساتھ نماز پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں یہ دیکھ کر آپ کا اعلان فرمانا کہ

من عرضت له منكم الصلوة فليصل
ومن لم تعرض له منكم الصلوة فلا يصل ص ۹۱ ج ۲ ازالۃ الخفار

نماز کا وقت ان ہی مقامات میں جس کے سامنے پیش آ جائے چاہیے کہ وہ نماز پڑھ لے لیکن جو ایسے وقت پر ایسی جگہ پہنچے کہ اس کی نماز کا وقت نہ ہو تو چاہیے کہ نماز نہ پڑھے۔

لیکن غسل والے تیمم کے مسئلہ میں کوئی روایت ایسی نہیں ملتی کہ حضرت عمر رض کے خیال کے خلاف جن کا مسلک تھا آپ نے کبھی ان سے پوچھا بھی ہو کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو۔
بہرحال کچھ بھی ہو اختلافی مسائل میں رواداری کی یہ اپنی آپ مثال ہو سکتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ پیغمبر کے سامنے دو مجتہدوں کی اجتہادی رائے ایک قرآنی حکم کی تاویل و توجیہ میں مختلف ہو جاتی ہے، اور دونوں میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی رائے پر قایم رہنے کی سند خود دربار نبوت سے عطا ہوتی ہے، حالاں کہ ظاہر ہے کہ بالکلیہ اختلاف کا مٹانا ہی اسلام کا صحیح مقصد اگر ہوتا تو اس وقت جب وحی نازل ہو رہی تھی اور علم کی روشنی نبوت کی جس مشکوٰۃ سے ضیا باریوں میں مصروف تھی اس کا پٹ بھی بند نہیں ہوا تھا، فریقین میں ہر ایک پیغمبر کے فیصلے کے سامنے سرجھکانے کے لئے تیار تھا مگر باوجود ان تمام باتوں کے جیسا کہ شاہ صاحب کا خیال ہے دونوں فریق کو چھوڑ دیا گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بقول ان کے

صوب کلا التاویلین وترک کل	دونوں تاویلوں کو درست قرار دیا اور
ماوّل علی تاویلہ	جس نے جو مطلب سمجھا تھا اس کو اپنے سمجھے ہوئے مطلب پر چھوڑ دیا گیا۔

اور خواہ لوگوں نے سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو لیکن مسلمانوں کا دین کے غیر بنیاتی شعبہ کے اختلافات کے متعلق جو حیرت انگیز رویہ عام طور پر گذشتہ تیرہ صدیوں میں رہا ہے میرا خیال تو یہی ہے کہ اس میں ابتدار اسلام کی ان ہی بنیادی کوششوں کو دخل ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس قسم کے مسائل میں صحابہ کے اختلافات کی حالاں کہ کافی طویل فہرست ہے، لیکن ان قدرتی اختلافات نے ارادی واختیاری مخالفتوں اور مخاصمتوں کی صورت کبھی نہیں اختیار کی ہر ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتا رہا اور جس احترام کا جو مستحق تھا اختلاف رکھنے والوں کے قلوب میں بھی ہمیشہ وہی احترام قائم رہا یہی حضرت عمرؓ ہیں بیسیوں مسائل میں ان سے بعض صحابہ کو اختلاف تھا اختلاف رکھتے ہوئے بھی لوگوں نے ہمیشہ ان کو امیرالمومنین ہی سمجھا اور جو اختلاف ان مسائل میں ان سے رکھتے تھے سلوک اور برتاؤ میں اس سے ذرہ برابر کبھی فرق پیدا نہیں ہوا چوں کہ بجائے خود یہ ایک مستقل مضمون کا مواد ہے ان چند اشاروں سے زیادہ تفصیلات کی اپنی اس کتاب میں گنجایش نہیں پاتا بیانات کے متعلق اختلاف | البتہ یہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اختلاف رکھنے کے بلال کو سید بلال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہتے ہیں عمار بن یاسرؓ کے دربار میں اسی احترام کو حاصل کئے ہوئے ہیں، جو اتفاق رکھنے والوں کو حاصل ہے۔ لیکن یہ ساری رواداریاں ان ہی مسائل کی حد تک محدود تھیں جو "البینات" کے دائرہ سے خارج تھے، اور سچی بات یہ ہے کہ عہد فاروقی تک اختلافات نے دین کے "البینات" کے دامن کو چھوا بھی نہ تھا، صرف ایک ہی روایت اس سلسلہ میں بیان کی جاتی ہے کہ ایک شخص جس کا نام "صَبیغ"[1] تھا، لوگ اس کو صَبیغ العراقی کہتے تھے۔ حضرت عمرؓ تک پہنچانے والوں نے یہ خبر پہنچائی کہ

یسال عن اشیاء من القرآن	مسلمانوں کی چھاؤنیوں میں وہ قرآن کے
فی اجناد المسلمین	متعلق کچھ پوچھ گچھ کرتا پھرتا ہے

افسوس ہے کہ بیان کرنے والوں نے یہ نہیں بتایا کہ قرآن کے متعلق کس قسم کے سوالات اس نے اٹھائے تھے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے متشابہات کے متعلق وہ گفتگو کرتا تھا۔ لیکن خود متشابہات سے کیا مراد ہے؟ ایک مشتبہ مسئلہ ہے اس لئے صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اس شوریدہ دماغ آدمی کے اندر کس قسم کے وساوس پیدا ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو برتاؤ اس کے ساتھ کیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ یقیناً اس کی گفتگو اور چھیڑ چھاڑ کا تعلق قرآن کے بینات ہی سے تھا، ورنہ غیر بیناتی مسائل کے متعلق تو آپ دیکھ چکے کہ حضرت عمرؓ کی تربیت میں کتنی فراخ دلی اور سیر چشمی کے پیدا کرنے کی کوشش خود قرآن ہی کے الفاظ بلکہ معانی تک کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ (باقی آئندہ)

---

[1] صَبیغ بروزن عظیم ۱۲ اصابہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام دار قطنی

از

(جناب مولانا ابو سلمہ شفیع احمد بہاری استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ)

(۳)

سنیئے!

یحیی بن سعید ھذا ھو القطان امام الجرح والتعدیل و اول من صنف فیہ قالہ الذھبی وکان یفتی بمذھب ابی حنیفۃ وتلمیذہ وکیع بن الجراح تلمیذ الثوری وھو ایضا حنفی نقل ابن معین ان القطان سئل عن ابی حنیفۃ فقال ما رایناہ احسن منہ رایا وھو ثقۃ ونقل عنہ انی لم اسمع احدا یجرح علی ابی حنیفۃ فعلم ان الامام الھمام لم یکن مجروحا الی زمن ابن معین ثم وقعت وقعۃ الامام احمد وشاع ما شاع وصارت جماعۃ المحدثین فرقا والا فقبیل تلک الواقعۃ توجد فی السلف جماعۃ تفتی بمذھب ابی حنیفۃ ویحیی بن معین ایضا

یہ یحیی بن سعید، قطان ہیں جو جرح و تعدیل کے امام ہیں اور اس فن میں سب سے پہلی تصنیف انکی کی ہے۔ فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور ان کے شاگرد وکیع بن الجراح جو ثوری کے بھی شاگرد ہیں حنفی ہی تھے، ابن معین راوی ہیں کہ قطان سے امام ابو حنیفہ کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ ہم نے ان سے زیادہ سمجھ میں افقہ کسی کو نہیں پایا اور وہ ثقہ ہیں ابن معین ہی فرماتے ہیں کہ ہم نے کسی کو امام ابو حنیفہ پر جرح کرتے ہوئے نہیں پایا اس سے معلوم ہوا کہ ابن معین کے زمانہ تک امام صاحب مجروح نہیں تھے لیکن اس کے بعد امام احمد کا واقعہ ہوا جس کے باعث محدثین کی مختلف ٹولیاں ہوگئیں ورنہ اس سے قبل سلف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حنفی۔ وعندی رسالۃ الذھبی
وھو حنبلی الاعتقاد وشافعی المذھب
وفیھا انہ کان حنفیا متعصبا ولعل
وجھہ ان ابن معین جرح علی ابن
ادریس الشھیر بالامام الشافعی
وما قیل انہ غیر الشافعی فلیس بشئ
والحق عندی انہ وان جرح علیہ
لکنہ غیر مناسب لہ فان الشافعی
لہ شان لا یدرکہ ابن معین ثم
ان الدارقطنی قد اقران ابا حنیفہ
اسن منھم وانہ لقی النساؓ وانما الخلاف
فی روایتہ عنہ وجمع ابن جریر فی
کتابہ (اختلاف الفقہاء) فقہ ابی حنیفہ
والاوزاعی والشافعی ولم یات بفقہ
احمد ولا بمناقبہ فسئل عن وجھہ
فقال انی جمعت فیہ مذاھب الفقہاء
ومناقبھم واذکر مناقبہ حین اذکر
مناقب المحدثین واصر علی ذلک حتی
استشھد بسببہ کذا ابو عمرو المالکی
ایضا ذکر مناقب ھولاء الائمۃ الثلاثہ
ولم یذکر مناقب احمد والبیھقی ایضا

میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جو امام صاحب
کے مذہب کے مطابق فتویٰ دیتی تھی اور
یحییٰ بن معین خود حنفی ہیں ذہبیؒ کا (جو عقیدۃً
حنبلی اور عملاً شافعی ہیں) ایک رسالہ میرے
پاس ہے جس میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین
متعصب حنفی تھے، متعصب اس لئے کہا
کہ ابن معین نے ابن ادریس یعنی امام شافعیؒ
پر جرح کی ہے اس کے جواب میں جو یہ کہا
گیا ہے کہ یہ ابن ادریس دوسرے ہیں امام
شافعی نہیں ہیں تو یہ حقیقت سے بعید ہے
لیکن پھر بھی مرے نزدیک حق یہ ہے کہ ابن معین
کو زیب نہیں دیتا کہ امام شافعی پر جرح کریں
کیونکہ امام شافعی بہت بلند ہیں وہاں تک
ابن معین کی رسائی نہیں ہو سکتی دارقطنی
نے اقرار کیا کہ امام ابوحنیفہ ان سب سے
متقدم ہیں اور حضرت انسؓ سے لقاء ثابت
ہے ان سے روایت میں اختلاف ہے
ابن جریر نے اپنی کتاب اختلاف الفقہاء
میں امام ابوحنیفہ، شافعی، اور اوزاعی کے
فقہ کو جمع کیا ہے اور امام احمد کے مناقب
و فقہ کو چھوڑ دیا۔ جب ان سے اس کی وجہ

© rasailojaraid.com